© rasailojaraid.com

سترھویں صدی کا طرزِ معاشرت

سیّد زاھد علی

دورِ متوسط میں تاریخ نویسی کا ایک مخصوص نظریہ تھا جسے درباری مورخین نے اختیار کیا۔ دربار کے قصیدہ گو شعراء اور مورخین کے نزدیک تاریخ کا اصل مقصد کسی دور کی مخصوص سیاست تک محدود تھا، حالانکہ تاریخ ایک ہمہ گیر مضمون ہے جس کے مختلف پہلو ہیں، مثلاً سماجی، اقتصادی، علمی اور انتظامی وغیرہ۔ سیاست بھی ان ہی میں سے ایک ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ سب سے اہم ہے۔ لیکن ہم کسی دور کے سیاسی حالات کو اس وقت تک بخوبی نہیں سمجھ سکتے جب تک اُس دور کی روشن پس منظر اور معاشرہ کا مطالعہ نہ کریں کہ کن حالات میں مختلف سیاسی اشکال رونما ہوئیں اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک اس دور کے معاشرے کا گہرا مطالعہ نہ کیا جائے۔ درباری مورخین نے صرف تخت نشینی، بادشاہ کی دریادلی، بغاوتوں اور فتوحات کو ہی تاریخ کا اہم جز سمجھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں صرف سیاسی حالات ایک خاص رنگ کے ساتھ ملتے ہیں جس کی وجہ سے معاصر مورخین کی کتابوں میں ایک خلا رسا محسوس ہوتا ہے۔ جدید مورخین نے بھی سیاسی حالات کو بغیر کسی تنقید کے بیانیہ انداز میں پیش کیا۔ لین پول، اسمتھ، ہیگ اور سر جادو ناتھ سرکار نے بھی ہندوستان کے دورِ متوسط کی تاریخ کو جنگ و جدل میں ایک طویل داستان کی صورت میں پیش کیا۔ انہوں نے بھی ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کی معاشرت کے پس منظر کو نظر انداز کیا۔ یہاں کی ذات پات، طبقہ جاتی اختلافات، قبیلہ جاتی اور نسلی امتیازات اور زراعتی نظام کی طرف دھیان نہ دیا[1]۔ موجودہ مورخین کے مطابق سماج کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ تاریخ نویسی کے لئے بے حد ضروری ہے۔ عوامی زندگی، تہذیب و تمدن

[1] پی ہارڈی۔ ہندوستان کے دورِ متوسط کے مورخین۔ ۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

داخلی اور بیرونی اثرات خصوصی طور پر ہندوستان کے عہدِ متوسط کی تاریخ نگاری کے لئے لازمی ہیں۔ اس سلسلہ میں یورپ کے سیاحوں کے سفرنامے بے حد مفید ہیں جن کی مدد سے ہمیں اس دور کی سماجی تصویر ملتی ہے۔ ہندوستانی مورخین یہاں کے رسم و رواج سے آشنا تھے اس لئے انھوں نے اس کو غیر ضروری سمجھا۔ درباروں کی وابستگی کی وجہ سے وہ وقت کے تقاضے اور سلطان کی مرضی کے مطابق لکھا کرتے تھے۔ یورپ کے سیاح اجنبی تھے اس لئے یہاں کے رسم و رواج کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اس کے برخلاف معاصر مورخین نے بادشاہِ وقت کی تاریخ و توصیف اور حقائق کو بیان کرنے میں مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہے۔[۲] برنیئر، ٹیورنیئر، پیچ، ٹیری، سر ٹامس رو، منوچی اور مینرک وغیرہ نے ہندوستانی رسم و رواج، ملبوسات، مشروبات، خورد و نوش اور تفریح کے مختلف ذرائع پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ برنیئر سیاحوں کا شہزادہ مشہور ہے۔ سر ٹامس رو نے آگرے میں دو سال نو ماہ قیام کیا۔ برنیئر دارا شکوہ کا معالج تھا۔ منوچی نے دارا شکوہ، راجہ جے سنگھ، راجہ کرت سنگھ اور شاہ عالم کے یہاں ملازمت کی۔ ٹیری اور کوریاٹ نے برنیئر سے فارسی سیکھی۔ برنیئر کا سفرنامہ اس کی ذہانت اور علمیت کی وجہ سے دوسرے سفرناموں سے زیادہ اہم ہے۔[۳]

ملبوسات، زیورات اور آراستگی کے مختلف طریقے ملک کی آب و ہوا، جغرافیائی حالات اور پیداوار کے مطابق ہوتے ہیں لیکن ہندوستان میں غیر ملکی اثرات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اور رم کے مطابق وہ کپڑوں کا فیشن جو موجودہ دور میں رائج ہے، دراصل وہ ہزاروں اور سینکڑوں سال پرانا فیشن ہے۔ عمومی طور پر ان سیاحوں نے یہاں کے لباس کو صاف ستھرا اور پاکیزہ کہا ہے۔ دولت مند لوگ ہر روز لباس تبدیل کیا کرتے تھے اور کبھی کبھی ایک دن میں کئی بار لباس بدلتے تھے۔ ڈیلاویل کو ہندوستانی لباس بہت پسند آیا وہ ایک جوڑا اپنے وطن اٹلی لے گیا اور وہاں عوام کو دکھایا۔[۴] غریبوں کا لباس عمدگی اور قیمت میں امرا اور رؤسا سے مختلف ہوتا تھا۔ علما عام طور پر صافہ، قبا اور پائجامہ پہنتے تھے۔ برنیئر نے شاہ جہاں کے دور کے ایک ہندو عالم کے لباس کی تفصیل لکھی ہے جس سے

۲۔ ایضاً ۳۔۴

۳۔ وائی کرشن مغل دور کے یورپ کے سیاح۔ اسلامک کلچر حصہ ۲۱، نمبر ۳۔ جولائی ۱۹۴۷ء - ۲۱۸

۴۔ سفرنامہ ڈیلاویل۔ صفحہ ۲۲۔ حصہ اول۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ بنارس میں ملا تھا۔ اس نے سفید سلک کا گلوبند اپنی کمر کے چاروں طرف باندھ رکھا تھا اور دوسرا حصہ ٹانگوں کے قریب لٹک رہا تھا اور دوسرا گلوبند (مفلر) جو سرخ رنگ کی سلک کا تھا وہ اپنے کاندھوں پر ڈال رکھا تھا؎ مغل بادشاہ نئے نئے لباس ایجاد کرنے کے شوقین تھے۔ ہمایوں نے ایک لباس ایجاد کیا تھا۔ بادشاہوں کا لباس سلک کے زردوزی ہوتے تھے۔ ہیرے جواہرات کے زیورات پہنتے تھے؎ شلوار اور چست کا بھی رواج تھا، قبا عام طور پر ٹخنوں تک ہوتی تھی۔ بچوں کو سونے کی زنجیریں پہنائی جاتی تھیں۔ جراب پہننے کا رواج بہت کم تھا۔ برنیئر کے بقول ہندوستان میں اتنی سخت گرمی پڑتی ہے کہ یہاں پر بادشاہ بھی موزے نہیں پہنتے؎۔ لیکن کہیں کہیں موزے پہننے کے حوالے بھی ملتے ہیں۔ ترکی فیشن کے جوتے پہنے جاتے تھے، تجارتی طبقہ (خاص طور پر دکاندار اور بنئے وغیرہ) اونچی ایڑی کے جوتے پہنتے تھے تاکہ تیزی سے چل سکیں۔ کالی کٹ (کلکتہ) میں موسم سرما میں چمڑے کے سلیپر اور گرمی میں کھڑاویں پہنی جاتی تھیں؎ عورتوں کا لباس ساڑھی اور بلاؤز تھا جو عام طور پر دھاری دار یا سُرخ رنگ کا ہوتا تھا۔ مسلمان عورتیں گھاگرا پہنتی تھیں۔ منوچی کے مطابق عورتیں دو یا تین کپڑے پہنتی تھیں جو وزن میں ایک اونس سے زیادہ نہ ہوتے تھے اور قیمت میں چالیس یا پچاس روپیہ سے کم نہ ہوتے تھے؎۔ مسلمان عورتیں شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے دور میں سفید چادر یا برقعہ کا استعمال کرتی تھیں۔ دولت مند عورتیں انواع و اقسام کے جوتے پہنتی تھیں جن میں سونے اور چاندی کے پھول لگے ہوتے تھے؎۔ عطر و صندل کا بھی استعمال ہوتا تھا۔ صابن قدیم زمانے سے ہندوستان میں رائج ہے، بنگال کا تیار شدہ خوشبودار تیل دہلی اور اس کے نواح میں کافی مقبول تھا۔ مغلس لوگ

؎۔ سفرنامہ برنیئر۔ صفحہ ۲۴۱

؎۔ سفرنامۂ مانزریٹ۔ صفحہ ۱۹۸

؎۔ سفرنامۂ برنیئر صفحہ ۲۴۰۔ سفرنامۂ تھیوناٹ، باب ۲۰، صفحہ ۳۷۔

؎۔ سفرنامۂ مینڈسلو۔ صفحہ ۵۱

؎۔ سفرنامۂ تھیوناٹ، باب ۲۰، صفحہ ۳۸-۳۷۔

؎۔ آئی۔ اے۔ ای تصاویر نمبر ۵۱۹-۲۰ عیسوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ناریل کا تیل ڈالتے تھے جب کہ امراء اور رؤسا اپنے جسم کو صندل سے معطر کرتے تھے [۱۱۱]۔ سرمہ اور خضاب کا بھی استعمال ہوتا تھا۔ عورتیں اور مرد دونوں پان کھاتے تھے۔ لکڑی، دھات اور سینگ کے کنگھے استعمال ہوتے تھے۔ بال کئی طرز سے سنوارے جاتے تھے۔ بعض لوگ پیروں میں بھی خوشبو لگاتے تھے [۱۱۲] دلچسپ بات ہے کہ اُس دور میں نائی آئینہ اور تولیہ لئے بازاروں میں گھوما کرتے تھے، ان کے پاس قینچی استرا، ناخن تراش اور کان صاف کرنے کی سلائی ہوتی تھی، اس کی اُجرت ایک یا دو پیسے سے زیادہ نہ ہوتی تھی [۱۱۳] عورتیں زیورات کا نہ پہننا بدشگونی سمجھتی تھیں۔ بازو بند، گجرہ، کنگن، جوا اور چوڑیاں اس وقت کے عام زیور تھے۔ گجراتی ہندو زیورات بنانے میں مہارت رکھتے تھے اس کے علاوہ یہ ہیرے جواہرات کی تجارت بھی کرتے تھے [۱۱۴] ہندو عام طور پر گوشت نہ کھاتے تھے لیکن منوچی کے بقول پنجاب اور بنگال کے لوگ گوشت بھی کھاتے تھے [۱۱۵] ہو سکتا ہے کہ منوچی نے افواہوں کو بھی اپنی کتاب میں شامل کر لیا ہو دلی، آگرہ اور لاہور میں مسلمان انواع و اقسام کے کھانے تیار کرتے تھے۔ برنیئر اور منوچی نے مغل کھانوں کے متعلق تفصیل سے لکھا ہے۔ سرٹامس رو کے مطابق جہانگیر اور شاہ جہاں کے دور میں امراء اپنے مہمان کے سامنے ایک وقت میں پچاس رکابوں سے زیادہ پیش کرتے تھے۔ شاہی مطبخ خانہ میں مشہور شہروں سے خاص اشیاء فراہم کی جاتی تھیں۔ منوچی کے مطابق شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے زمانہ میں شاہی مطبخ خانہ میں ایک دن میں ایک ہزار روپیہ سے زیادہ خرچ ہوتا تھا۔ منوچی نے آگرے کی مٹھائی کی دکانوں کی بھی تعریف لکھی ہے۔ لیکن برنیئر نے دلی کی دو کانوں کی صفائی اور تعریف لکھی ہے۔ آم، رس بھریاں، سنترے، کھجور، انجیر اور انگور وغیرہ بکثرت بازاروں میں فروخت ہوتے تھے۔ پھلوں کی درآمد بھی ہوتی تھی۔ مہمانوں کی تواضع میں امراء ایک وقت کے ناشتہ پر ۲۰ کراؤن سے زیادہ صرف کرتے تھے (برنیئر)، برنیر دلی کے بازار کی

---

[۱۱۱]۔ سفرنامۂ منوچی، باب دوم، صفحہ ۴۳۰۔

[۱۱۲]۔ سفرنامۂ ڈیلاویل، دوم، صفحہ ۳۷۷-۳۷۶

[۱۱۳]۔ اونگٹن۔ صفحہ ۳۲۱

[۱۱۴]۔ سرٹامس رو۔ صفحہ ۹۲

[۱۱۵]۔ سفرنامۂ منوچی، باب دوم، صفحہ ۴۰-۲۳۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو دیکھ کر حیرت میں رہ گیا کیوں کہ یہاں پر سمرقند، بلخ اور ایران کے پھل بھی ملتے تھے۔ مغل بادشاہ گنگا جمنا کا خالص پانی پیتے تھے۔ عام لوگوں کا کھانا سادہ ہوتا تھا۔ کھچڑی ایک مقبول خوراک تھی جو مکھن کے ساتھ کھائی جاتی تھی [۱۶] جوار، باجرہ اور گیہوں کی روٹی کھائی جاتی تھی۔ اعلیٰ متوسط طبقہ گیہوں آٹا، اُبلے ہوئے چاول اور سبزیاں کھاتے تھے۔ گوشت کے علاوہ مچھلی بھی کھائی جاتی تھی، اچار، سیاہ مرچ اور گرم مصالحہ کا بھی استعمال ہوتا تھا۔ قبولی اور پلاؤ کشمش اور بادام اور مکھن کے ساتھ کھائی جاتی تھی۔ حلوہ اور فالودہ میں خوشبو کا استعمال ہوتا تھا۔ کھانے کے آداب سخت نہ تھے۔ ایک دسترخوان فرش پر بچھایا جاتا تھا جس پر تمام تھالیں رکھی جاتی تھیں، تمام افراد اُس کے چاروں طرف بیٹھتے تھے [۱۷] دسترخوان سلک کے ہوتے تھے جن کو خوشنما بیل بوٹوں سے مزین کیا جاتا تھا۔ چمچوں کا استعمال عموماً نہ ہوتا تھا۔ شراب کا استعمال ہندو مسلمان ظاہری طور پر نہ کرتے تھے۔ عام لوگ نشیلی اشیا میں تاڑی وغیرہ استعمال کرتے تھے، افیون کھانے کا بھی رواج تھا۔ مفلس لوگ بھنگ بھی کھاتے تھے [۱۸] ۱۶۰۵ء کے بعد ہندوستان میں تمباکو بہت مقبول ہو گیا تھا۔ لوگ آلتی پالتی مار کر حقہ بھی پیا کرتے تھے کبھی کبھی عورتیں بھی حقہ پیتی تھیں۔ منوچی کے مطابق صرف دلّی میں تمباکو پر پانچ ہزار روپیہ کا ٹیکس لگتا تھا۔ اس ٹیکس کی منسوخی پر پرغریبوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ پان چائے اور کافی بھی مختلف طریقوں سے استعمال ہوتی تھی۔ دولت مند لوگ پان میں مشک اور قیمتی خوشبوئیں استعمال کرتے تھے۔ دلّی اور احمد آباد میں کافی کی دکانیں بکثرت موجود تھیں لیکن موجودہ قہوہ خانوں کے مانند نہ تھیں۔ [۱۹]

سترھویں صدی میں تفریح کے ذرائع موجودہ دور کے مانند نہ تھے۔ شطرنج، چوسر مقبول کھیل تھے امرا اور روٴسا شکار کے شوقین تھے۔ چوگان کا کھیل گیارھویں صدی عیسوی سے ہندوستان میں اعلیٰ طبقہ میں مقبول ہے۔ تماشہ گر اور بازی گروں کا ایک مخصوص طبقہ تھا۔ اس سلسلہ میں سیاحوں نے ہندوستان کو سپیرے اور جادوگروں کا ملک کہا ہے۔ منوچی نے شہزادیوں اور امرا کی مستورات کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ عورتوں کو ہنسی مذاق کی اجازت نہ تھی۔ باغات میں چہل قدمی

---

۱۶ - سترھویں صدی کے سیاح۔ فوسٹر۔ صفحہ ۲۶۳

۱۷ - سفرنامہ منوچی۔ باب سوم۔ صفحہ ۴۳

۱۸ - لینس چوٹن کا سفرنامہ۔ باب دوم۔ صفحہ ۱۱۶-۱۱۵

۱۹ - منوچی صفحہ ۴۵۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی بھی اجازت نہ تھی۔ صرف بہتے ہوئے پانی کی آواز سے اور پرندوں کے نغموں سے لطف اندوز ہو سکتی تھیں[20]۔ تاش، شطرنج، چوسر، چنڈل منڈل (ایک قسم کی چوسر جس میں ۲ سے ۴ آدمی کھیل سکتے ہیں) نرد (۲۴ خانوں پر پندرہ پندرہ آدمیوں کے دو گروپ کھیل سکتے ہیں) اور پچیسی کے کھیل اکبر کے دور میں کافی مقبول تھے۔ گیندوں کا کھیل بھی ہر دلعزیز تھا۔ دو گٹی، تری گٹی، نو گٹی اور بارہ گٹی کا کھیل ہوتا تھا۔ کشتی کا بھی رواج تھا۔ مکّے بازی بھی ہوتی تھی جس میں ایرانی اور ترکی مکّے باز حصہ لیتے تھے۔ تیر اندازی، تلوار چلانا اس دور کے اعلیٰ طبقہ کا فیشن تھا۔ بابر نے تزکِ بابری میں گینڈے کی لڑائی کا ذکر کیا ہے۔ شاہ جہاں نے کشمیر کے سفر کے دوران مختلف جانوروں کی لڑائی سے لطف اٹھایا۔ نیل گائے، ہرن، چیتا اور شیر کا شکار ہوتا تھا[21]۔ کتوں اور بازوں کو بھی شکار کی تربیت دی جاتی تھی جو شاہی شکار میں مددگار ثابت ہوتے تھے۔ بکریاں، مرغ، بٹیر، بارہ سنگھے، ہرن، کتے، بلبل اور بیل وغیرہ جانوروں کی بھی لڑائیاں ہوتی تھیں۔ کبوتر پالنے کا شوق بھی تھا جو عشق بازی کے نام سے مشہور تھا۔ شاہ جہاں اور دوسرے مغل بادشاہ جانوروں اور انسانوں کی لڑائی سے بھی خوش ہوتے تھے[22]۔ دلّی اور آگرے میں اس قسم کی لڑائیوں کے لئے مخصوص میدان بنوائے گئے تھے۔ برنیر نے ہاتھیوں کی لڑائی کی دلچسپ تفصیل لکھی ہے۔ ہاتھیوں کے درمیان ایک دیوار بنوائی جاتی تھی اور کچھ وقفہ کے ساتھ ہاتھیوں کی لڑائی ہوتی تھی، دانت اور سونڈ زخمی ہوتے۔ مٹی کی دیوار توڑ کر ہاتھی اپنے مقابل دشمن کو زخمی کرتا ہاتھیوں کو علیحدہ کرنے کے لئے چرخی (آتش بازی) کا استعمال ہوتا تھا۔ یہ ہاتھی سیلون سے آتے لیکن ان کو جنگ میں شریک نہیں کیا جاتا تھا۔

20۔ سفرنامہ منوچی، دوم، صفحہ ۵۳ - ۳۵۲

21۔ سفرنامہ برنیر، صفحہ ۲۱۸۔

22۔ میں ڈیلسلو کا سفرنامہ، صفحہ ۴۳

****

© rasailojaraid.com